بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، أَمَّا بَعْدُ:

68: اللہ تعالیٰ کی معیت (ساتھ)؛ اور اللہ تعالیٰ کا نمازی کے سامنے ہونے کا ثبوت؛ اور اللہ تعالیٰ کی صفت علو اور دیگر صفات کا بیان

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ؛ اور ہم پہنچے تھے بارہویں (12) حدیث پر: "الحديث الثاني عشر"۔

اور یہ وہ احادیث ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہے اور بارہویں حدیث میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی معیت کے ثبوت کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: "الحديث الثاني عشر: في إثبات المعية: وهو قوله صلى الله عليه وسلم: أَفْضَلُ الإِيمَانِ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ": حديث حسن، أخرجه الطبراني من حديث عبادة بن الصامت (رضي الله تعالیٰ عنه): (سب سے بہترین ایمان یہ ہے کہ آپ یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے آپ کہیں پر بھی ہوں)۔

شرح میں فضیلۃ الشیخ العلامہ ابن عثیمین رحمہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں یہ فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت (یعنی ساتھ) کا ثبوت ملتا ہے اور آیات (یعنی قرآن مجید کی آیات) میں یہ گزر چکا ہے پہلے پڑھ چکے ہیں اسی کتاب میں کہ اس معیت سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ زمین پر لوگوں کے ساتھ ہے، بلکہ یہ ممتنع ہے اور ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر ہو کیونکہ صفت العلو (اللہ تعالیٰ کا بلندی پر ہونا) کی صفت جو ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ میں سے ہے جس سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ متصف ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے لازم صفت ہے۔ اور یہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ پھر اس معیت کی قسمیں ہیں؛ دو قسمیں ہیں: عام معیت ہے، اور خاص معیت ہے (اس طریقے سے)۔

اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان: "أَفْضَلُ الإِيمَانِ أَنْ تَعْلَمَ": اس میں یہ دلالت ملتی ہے کہ ایمان میں تفاضل ہوتا ہے کیونکہ جب آپ یہ جان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے آپ جہاں کہیں بھی ہیں پھر

آپ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہیں؛ جب آپ کسی بند کمرے میں ہوتے ہیں تاریک کمرے میں ہوتے ہیں جس میں کوئی بھی نہیں ہوتا آپ کے ساتھ تو آپ یہ خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے، اُس کمرے میں نہیں لیکن اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محیط کیا ہوا ہے علم سے قدرت سے اپنے سلطان سے، اور اس کے علاوہ اور بھی جو معنی ہیں ربوبیت کے۔

اِن تمام معنی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا احاطہ کیا ہوا ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کی معیت کا اپنے بندوں کے ساتھ۔

اگلی حدیث، تیرہویں (13) حدیث:

''الحديث الثالث عشر: في إثبات كون الله قبل وجه المصلي''(اللہ تعالیٰ کا نمازی کے سامنے ہونے کے ثبوت کا بیان)

''وهو قوله صلى الله عليه وسلم''(اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے)''إذا قامَ أحَدُكُمْ إلى الصَّلاة ، فَلا يَبْصُقَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ ، وَلا عَنْ يَمِينِه ، فإنَّ اللهَ قِبَلَ وَجْهِهِ، ولكِنْ عَنْ يَسارِهِ، أو تَحْتَ قَدَمِهِ'': متفق عليه: (اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں: کہ تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے (یعنی نماز پڑھنے کے لیے قائم ہو جائے نماز میں داخل ہو جائے) تو پھر وہ اپنے سامنے نہ تھوکے)؛

اگر نماز کے دوران اسے تھوک آگیا ہے یا کوئی بلغم ہے اور وہ اسے نکالنا چاہتا ہے اسے تھوکنا چاہتا ہے نماز کے دوران تو اپنے سامنے اپنے آگے نہ تھوکے: ''وَلا عَنْ يَمِينِه''(اور نہ ہی اپنی دائیں طرف)''فإنَّ اللهَ قِبَلَ وَجْهِهِ''(کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہے)''ولكِنْ عَنْ يَسارِهِ''(مگر (یعنی اگر) اس نے تھوکنا ہے تو اپنے بائیں طرف تھوکے)''أو تَحْتَ قَدَمِهِ'' (یا اپنے پاؤں کے نیچے)۔''قِبَلَ وَجْهِهِ'': سے مراد یعنی آگے، سامنے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ شرح میں فرماتے ہیں) سورۃ البقرۃ آیت نمبر 115 میں:

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾(اللہ تعالیٰ کے لیے مشرق اور مغرب ہے تم جہاں کہیں بھی اپنا چہرہ پھیرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے چہرے کو پاتے ہو)(البقرۃ:115)۔

سامنے سے اس لیے منع کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سامنے ہوتا ہے دائیں طرف کیوں منع کیا ہے تھوکنے سے؟

ایک حدیث میں آیا ہے:

''فإنَّ عَنْ يَمِينِهِ مَلَكًا''(دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے)؛ اور صحیح بخاری کی روایت ہے یہ۔

اور دوسری وجہ یہ ہے دائیں طرف تھوکنے سے منع کرنے کی کہ جو دائیں طرف ہے وہ بائیں سے بہتر ہے افضل ہے؛ تو تھوکنے کے لیے پھر بائیں جگہ ہی رہ جاتی ہے اس لیے فرمایا" وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ "؛اور اگر ممکن نہ ہو کوئی اور شخص ہو تو پھر " أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ "(اپنے قدم کے نیچے)۔ یہ مسئلہ تب ہوتا ہے جب انسان خلا میں ہو (یعنی اکیلا ہو) اور نماز پڑھ رہا ہو، کسی ویرانے میں ہو اور تھوک یا بلغم وہ محسوس کرتا ہے نکالنے کے لیے تو اس کا سنت طریقہ یہ ہے نکالنے کا۔

اگر مسجد میں ہو تو پھر کیا معاملہ ہے؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اگر مسجد میں ہو تو علماء یہ فرماتے ہیں کہ وہ تھوک کو کسی کپڑے میں یا ٹشو پیپر وغیرہ میں اسے ڈال دے اور اسے مسل لے " ويحك بعضه ببعض "(یعنی اسے مسل لے)؛اور عام طور پر یہ جو کُم ہوتا ہے جو آستین ہوتی ہے یہاں پر یہ زیادہ آسان ہے (اگر ٹشو آپ کی جیب میں ہے آپ نکال کر اسے نکال سکتے ہیں تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ آج کل ٹشو پیپر کی آسانی ہے اور فراوانی بھی ہے (الحمد للہ)، اگر یہ ممکن نہ ہو کسی کے پاس ٹشو پیپر نہیں ہے تو پھر اس کی جو یہ آستین ہے ثوب کی اس میں وہ تھوک لے اور اس کو یوں آپس میں مسل لے تاکہ وہ نیچے نہ گرے اگر زیادہ ہے تو اور وہاں پر تھم جائے)؛اور اگر انسان مسجد میں ہو اور دیوار چھوٹی ہو (ایک اور آپشن (Option) بھی ہے اس میں) کہ آپ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں اور دیوار چھوٹی ہے اور بائیں طرف آپ تھوک بھی سکتے ہیں (دیوار ہو بائیں طرف اور چھوٹی بھی ہو آپ کی تھوک مسجد سے باہر بھی جائے اور کوئی گزر بھی نہ رہا ہو، تب آپ باہر تھوک سکتے ہیں اس طریقے سے)۔

اس حدیث میں جو فائدہ ملتا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نمازی کے سامنے ہوتا ہے لیکن یہ جاننا واجب ہے کہ جس نے ہمیں یہ خبر دی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نمازی کے سامنے ہوتا ہے اُسی نے ہی ہمیں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے اور اُن کے کلام میں اس فرمان میں کوئی تناقض (Contradiction) نہیں ہے، اور دونوں باتوں کو جمع کرنا ممکن ہے اور اِن تین طریقوں سے ہم جمع کر سکتے ہیں:

1- پہلا طریقہ یہ ہے: کہ شریعت نے ان دونوں کو جمع کیا ہے اور شریعت کبھی بھی دو متناقض چیزوں کو جمع نہیں کرتی؛ یعنی اللہ تعالیٰ نمازی کے سامنے بھی ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر بھی ہے آسمانوں پر بھی ہے، جب شریعت نے دونوں کو جمع کیا ہے تو پھر تناقض ناممکن ہے۔

2- دوسرا طریقہ جمع کرنے کا اِن دونوں احادیثوں کو: کہ یہ عین ممکن ہے کوئی چیز بلندی پر ہو اور وہ آپ کے سامنے بھی ہو، آپ یہ دیکھیں: کہ صبح سویرے مشرق کی طرف انسان جب دیکھتا ہے تو سورج نکل رہا ہوتا ہے (سورج کا طلوع ہوتا

ہے مشرق سے) دن کی ابتداء میں اور انسان اپنے بالکل سامنے دیکھتا ہے سورج کو نکلتے ہوئے؛ اور اسی طریقے سے جب سورج غروب ہوتا ہے مغرب کی طرف اس کے سامنے ہوتا ہے جبکہ سورج آسمان پر ہے (سورج آسمان میں ہے نا)۔

سورج آسمان میں ہے اور یہ بندہ زمین میں ہے اور بہت ہی لمبا فاصلہ ہے بہت ہی دور ہے سورج لیکن اس کے باوجود بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ سورج ہمارے سامنے ہے کہتے ہیں کہ نہیں کہتے؟ کہتے ہیں۔

تو شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ مخلوق میں ممکن ہے تو خالق کے حق میں زیادہ حق رکھتا ہے من باب اولیٰ ہے۔

3- تیسرا طریقہ جمع کرنے کا: کہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ ممکن نہیں ہے مخلوق میں؛ یعنی اگر مخلوق میں ممکن ہے سورج کے ساتھ ہم یہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے سورج ہے، خالق کے لیے ممکن نہیں ہے؛ تو پھر اس کا جواب یہ ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جیسی کوئی چیز نہیں ہے "ليس كمثله شيء"؛ اور یہ قاعدہ جو ہے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں ہے ہم مخلوق پر خالق کو قیاس نہیں کر سکتے، لیکن ایک مثال ہے کہ جب یہ مخلوق میں ممکن ہے تو خالق میں من باب اولیٰ حق رکھتا ہے۔

اور اس حدیث میں جو ہمیں مسلکی فائدہ ہوتا ہے:

1- کہ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

2- اور جب نمازی اس چیز پر ایمان رکھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا ڈر، خشیت اور ہیبت اس کے دل میں جگہ کر لیتی ہے اور نماز میں خشوع جو ہے وہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

یعنی اصل پیغام اس حدیث میں کیا ہے؟ نمازی کے لیے پیغام ہے نا؛

جب نمازی کو یہ پتہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے نماز کے اندر؟ کیا اُس جیسے نمازی کی ہوتی ہے جس کو اس کی خبر ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہے جو اس کو دیکھ رہا ہے یا اس کے قریب ہے؟ فرق ہے دونوں میں نا۔ کیا فرق ہے؟ کہ جس کو یہ علم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اللہ تعالیٰ کا جو ڈر ہے وہ بڑھ جاتا ہے۔

اور جب دل میں اس بات کا اثر ہوتا ہے تو پھر نماز میں بھی اس کا اثر ہوتا ہے نماز میں کیا اثر ہوتا ہے؟ نماز میں خشوع اور اطمینان مزید مضبوط ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر چودہ(14):

”الحديث الرابع عشر: في إثبات العلو وصفات أخرى“(اللہ تعالیٰ کی صفت علو اور دیگر صفات کا بیان)؛اور صحیح مسلم کی بڑی پیاری حدیث ہے:”وهو قوله صلى الله عليه وسلم: اللهُمَّ! رَبَّ السَّماواتِ السَّبْعِ وَالأرْضِ وَرَبَّ العَرْشِ العَظِيمِ“۔

پیاری دعا ہے جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طریقے سے کی ہے:”اللهُمَّ“(یعنی یااللہ!)”رَبَّ السَّماواتِ السَّبْعِ وَالأرْضِ وَرَبَّ العَرْشِ العَظِيمِ“(ساتوں آسمانوں کے ربّ اور زمین کے ربّ اور عرش عظیم کے ربّ!)”رَبَّنا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ“(ہمارے ربّ اور ہر چیز کے ربّ!)”فَالِقَ الحَبِّ والنَّوَى“(حبّ اور نویٰ کو کھولنے والے!(حبّ کہتے ہیں دانے کو اور نویٰ بیج کو))”مُنْزِلَ التَّوراةِ وَالإنْجِيلِ وَالقُرْآنِ“(تورات، انجیل اور قرآن کو نازل کرنے والے!)”أعوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي“(میں تیری پناہ میں آتا ہوں اے میرے ربّ! اپنی نفس کے شَر سے)”وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دابَّةٍ أنْتَ آخِذٌ بِناصِيَتِها“(اور ہر اُس دابّۃ اور جانور کے شَر سے جس کی پیشانی تونے پکڑنی ہے)”أنْتَ الأوَّلُ؛ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ“(آپ سب سے پہلے ہیں آپ سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے)”وأنْتَ الآخِرُ؛ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ“(اور آپ آخر ہیں آپ کے بعد کوئی چیز نہیں ہے)”وأنْتَ الظَّاهِرُ؛ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ“(اور آپ ظاہر ہیں آپ سے اوپر کوئی چیز نہیں ہے)”وأنْتَ الباطِنُ؛ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ“(اور آپ باطن ہیں آپ سے قریب کوئی چیز نہیں ہے)”اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ، وأغْنِنِي مِنَ الفَقْرِ“(میرے قرض کی ادائیگی کردے اور مجھے محتاجی اور فقیری سے بے پرواہ اور غنی بنادے)۔

بڑی پیاری حدیث ہے اور یہ ہم سب کے لیے ہے، اگر آپ اس کو یاد کرلیں بڑی آسان ہے زیادہ مشکل نہیں ہے آپ چار پانچ دفعہ پڑھیں تو ان شاء اللہ یاد ہو جائے گی، اور نماز میں سجدے میں آپ یہ دعا پڑھ سکتے ہیں، نماز کے باہر بھی آپ یہ دعا کر سکتے ہیں اس کو یاد کرلیں بہت سارے فوائد بھی ہیں جن کا ہم ذکر کرتے ہیں بعض کا ابھی لیکن خاص طور پر جو کسی مشکل میں مبتلا ہیں یا کسی حاجت میں یا تنگی میں ہیں، یا کسی مصیبت میں ہیں خصوصی طور پر جو مالی مسائل ہوتے ہیں، قرض کی ادائیگی کے لیے پریشان ہے اگر کوئی شخص مقروض ہے یا وہ محتاج ہے(اور ہم سب محتاج ہیں اپنے ربّ کے)تو یہ دعا اُن لوگوں کے لیے مناسب ہے، سونے کے اذکار میں سے بھی ہے یہ۔

اس حدیث کی شرح میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ عظیم حدیث ہے، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو وسیلہ بنایا ہے:”اللهُمَّ! رَبَّ السَّماواتِ السَّبْعِ وَالأرْضِ وَرَبَّ العَرْشِ العَظِيمِ، رَبَّنا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ“، یہ: من باب التعميم بعد التخصيص: پہلے تخصیص کی ہے پھر تعمیم ہے۔

تخصیص کس میں ہے ؟ کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا ربّ ہے نا (ہر چیز کا ربّ اللہ تعالیٰ ہے) اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو پیدا کیا ہے، وہی خالق وہی مالک وہی تدبیر کرنے والا ہے، وہی مشکل کشا حاجت روا ہے اُس کے سوا کوئی نہیں ہے۔

پہلے آسمانوں کا ذکر ہے پھر زمین کا ہے پھر عرش عظیم کا ہے، پھر ''رَبِّ كُلِّ شَيْءٍ'' کیا فرق ہے سب میں ؟

پہلے تخصیص ہے: آسمان ہے، زمین ہے، عرش عظیم ہے، یہ خاص مخلوقات ہیں نا؟ پھر ہر چیز: اسے کہتے ہیں (ہر چیز تو عام ہے نا کہ ہر چیز کا ربّ ہے) ''التعميم بعد التخصيص'': پہلے تخصیص اس کے بعد تعمیم سے کام لیا ہے۔ اور یہ کیوں بیان کیا ہے ؟ اس لیے تاکہ کسی کے وہم و گمان میں یہ بات نہ ہو کہ یہ حکم جو ہے کسی خاص چیز کے لیے ہے۔

یعنی: ''رَبِّ السَّماواتِ السَّبْعِ وَالأرْضِ'' بس اسی کا ربّ ہے اسی میں اللہ تعالیٰ کا حکم چلتا ہے کسی اور پر نہیں چلتا؛ نہیں ! جب اللہ تعالیٰ آسمانوں کا، زمین کا، عرش عظیم کا ربّ ہے تو وہ ربّ تمام مخلوقات کا ربّ بھی ہے۔

یعنی جب کوئی شخص دعا کرتا ہے: اور اصل معاملہ ہے دعا کا کیونکہ دعا سے پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو وسیلہ بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کو وسیلہ بنایا ہے کیونکہ جو ربّ عرش عظیم ہے (سب سے بڑی مخلوق اللہ تعالیٰ کا عرش ہے) پھر یہ بڑے بڑے آسمان جو ہیں، پھر یہ زمین ہے جس پر ہم چلتے ہیں، پھر پوری کائنات کا ربّ ہے تو کیا میری بگڑی نہیں بنائے گا؟! کیا میرے حالات نہیں بدلیں گے ؟! اگر میری مدد کرے گا تو پھر کون روک سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد کو ؟! (سبحان اللہ)۔

اور اس کی اور بھی مثالیں ہیں قرآن مجید میں جن میں تعمیم اور تخصیص کا ذکر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ النمل آیت نمبر 91 میں: ﴿إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ ٱلْبَلْدَةِ ٱلَّذِى حَرَّمَهَا وَلَهُۥ كُلُّ شَىْءٍ﴾: ﴿وَلَهُۥ كُلُّ شَىْءٍ﴾: تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔

دیکھیں: ﴿رَبَّ هَٰذِهِ ٱلْبَلْدَةِ﴾ (اس شہر یا اس جگہ کا ربّ جو ہے)؛ خاص ہے پھر عام ہے تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ ربّ جو ہے صرف اسی جگہ کا ہے اور باقی جگہوں کا ربّ کوئی اور ہے؛ نہیں ! ایک ہی ربّ ہے پوری کائنات کا۔

''فَالِقَ الحَبِّ والنَّوَى'': جیسا میں نے کہا ہے کہ "الحَبِّ" دانے کو کہتے ہیں جس سے پودے اُگتے ہیں، اور "النَّوَى" جو ہے وہ بیج کو کہتے ہیں جس سے درخت اُگتے ہیں، اور "فَالِقَ" کہتے ہیں کھولنے والا۔ آپ یہ دیکھیں کہ گندم کا دانہ لے لیں آپ؛ ہم جب پرائمری میں ہوتے تھے نا اسکول میں تو سائنس کی کلاس میں کہتے ہیں کہ کاٹن لے کر آئیں پریکٹیکل

بتاتے تھے ہمیں (کاٹن جو ہوتا ہے Cotton) اور اس میں جو گندم کے دانے ہیں وہ اس میں رکھ دیتے تھے پھر تھوڑا پانی ڈال دیتے تھے تو کچھ دن میں دیکھتے تھے کہ اس میں سے ایک چھوٹا سا پودا نکلتا ہے گرین (Green) ہو جاتا ہے چھوٹا سا نکل آتا ہے۔ آپ دیکھیں جو دانہ ہے یہ گندم کا دانہ دیکھیں کیا زندہ ہے یہ؟! بیج کو دیکھ لیں آپ۔

کھجور کی گٹھلی کو دیکھ لیں آپ کیا زندہ ہوتی ہے یہ؟!

جو بھی بیج ہے کسی پودے یا درخت کا بیج دیکھ لیں آپ زندہ ہوتا ہے یا مردہ ہوتا ہے؟ مردہ ہی ہوتا ہے نا، اسی بیج سے درخت نکلتا ہے (سبحان اللہ)؛ اس بیج کو آپ کھول کر دکھا دیں اس میں سے کوئی بھی زندہ درخت یا کوئی چیز نکال کر دکھا دیں مجھے نکل سکتا ہے؟!

"فَالِقُ" (کھولنے والا، اور اِس میں سے اِس پودے کو نکالنے والا): کیا انسان کے بس کی بات ہے؟

دیکھیں کاشت کار جب کاشت کاری کرتا ہے اس کا کام کیا ہوتا ہے؟ اُس نے زمین کو سیدھا کرنا ہے، کوئی اُس میں ہل اُس نے لگانا ہے، پھر اُس نے بیج اُس میں بونا ہے، پھر پانی ڈال دینا ہے یہ کام ہے نا اُس کا؟ کوئی بھی انسان، مخلوق اُس بیج میں سے پودا نکال ہی نہیں سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اُسے نہ نکالے (سبحان اللہ)۔

یہ دنیا میں جو اتنے درخت ہیں پورے کس نے بیج بویا ہے ان درختوں کا؟ انسان یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ جب تک میں نہیں یہ کروں گا تو کچھ نہیں ہو گا! آپ نے سعی کرنی ہے رزق کے لیے، اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ آپ کو دے سکتا ہے؛ لیکن نہیں! جدوجہد کرنی ہے سعی کرنی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا ہے۔

یہی پانی زندگی ہے، سیلاب آتا ہے تو سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے تباہی مچا دیتا ہے (سبحان اللہ)۔

تو "فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى": جب اللہ تعالیٰ نے ان عظیم آیات کونیہ کا ذکر کیا ہے پھر آیات شرعیہ کا ذکر بھی کیا ہے اور عین مناسب ہے۔

آیات شرعیہ کہاں پر ہیں؟ "مُنَزِّلَ التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ": یہ تین اللہ تعالیٰ کی عظیم کتابیں ہیں اور وقت کے اعتبار سے ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے؛ پہلے تورات تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر، پھر انجیل کو نازل کیا ہے سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ وسلام پر، پھر قرآن کو نازل کیا ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

اور اس میں نص صریح بھی ہے قرآن مجید میں (ایک تو یہ حدیث میں آیا ہے کافی ہے لیکن قرآن مجید میں بھی اس کی دلیل ملتی ہے اس کا ذکر ہے) کہ تورات اور انجیل کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور قرآن مجید کو بھی:

(۱) سورۃ المائدۃ آیت نمبر 44 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ (بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا ہے جس میں ہدایت اور نور ہے) (المائدة:44)۔

(سبحان اللہ): تورات بھی ہدایت اور نور ہے، کاش! کہ یہودی (بنی اسرائیل) اس کی قدر کرتے اس میں تحریف نہ کرتے! تو ان کی ہدایت کے لیے اور ان کے لیے نُور یہ تورات ہی کافی تھی لیکن اُن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اس پاک کتاب کو تبدیل کیا اور اس میں تحریف کر ڈالی!

(۲) اور سورۃ آل عمران کی ابتدائی آیات میں آیت نمبر 3 اور 4 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ ۝٣ مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ ٱلْفُرْقَانَ﴾

(آل عمران:3-4)۔

اس آیت میں تینوں کتابوں کا ذکر ہے: ﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ (اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے کتاب (یعنی قرآن مجید) کو حق کے ساتھ جو تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے کتابیں گزری ہیں (یعنی تورات اور انجیل)) ﴿وَأَنزَلَ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ﴾ (اور نازل کیا تورات اور انجیل کو) ﴿مِن قَبْلُ﴾ (اس سے پہلے (یعنی قرآن مجید سے پہلے)) ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ (لوگوں کی ہدایت کے لیے) ﴿وَأَنزَلَ ٱلْفُرْقَانَ﴾ (اور فرقان کو بھی نازل کیا ہے)۔

اس میں ذرا غور کریں لفظ پر: ﴿نَزَّلَ﴾ ؛ ﴿وَأَنزَلَ﴾: کیا فرق ہے نَزَّلَ کے لفظ میں اور أَنزَلَ کے لفظ میں؟ دونوں کا عام معنی کیا ہے؟ اُتارنا، نازل کرنا۔ اور اُتارنا کا کیا مطلب ہے؟ نازل کرنا اوپر سے نیچے کی طرف۔

تو نَزَّلَ، وَأَنزَلَ میں کیا فرق ہے؟ نَزَّلَ هو، وَأَنزَلَ هو: نَزَّلَ، وَأَنزَلَ اب دونوں فعل ماضی ہیں۔ ایک واضح بات ہے اس میں اور بنیادی فرق ہے قرآن مجید کے نازل ہونے میں، تورات اور انجیل کے نازل ہونے میں؟ ﴿نَزَّلَ﴾ "فعّل" (بار بار اُترا ہے)؛ ﴿أَنزَلَ﴾ (ایک دفعہ اُترا ہے)۔ تئیس سال میں اُترا ہے قرآن مجید اس لیے لفظ ﴿نَزَّلَ﴾ ہے، تورات اور انجیل ایک مرتبہ اُتری ہیں اس لیے لفظ ﴿أَنزَلَ﴾ ہے؛ تورات میں نَزَّلَ نہیں ہوگا کبھی دیکھ لیں قرآن مجید میں۔

قرآن میں أَنزَلَ بھی ہے نَزَّلَ بھی ہے (دونوں ہیں) کیونکہ "أنزلَ" ایک وقت؛ اور پھر وہاں سے آہستہ آہستہ نازل ہوا تئیس سالوں میں مکمل ہوا، لیکن تورات اور انجیل میں آپ کو نَزَّلَ کا لفظ نہیں ملے گا کہیں أَنزَلَ کا لفظ ملے گا (سبحان اللہ)، تو یہ باریک بینی بھی دیکھ لیں آپ۔

"أعوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي": اصل بات جو ہے اور اصل دعا جو ہے دیکھیں کہ اے اللہ تعالیٰ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ دیکھیں ربوبیت ہے اور ربوبیت کو وسیلہ بنایا ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بیان کیا ہے، پھر تورات، انجیل، قرآن کا ذکر کیا ہے، یہ ایک مقدمہ ہے؛ مانگنا بھی ہے مانگنا کیا ہے؟ اتنے عظیم مقدمے کے بعد اصل معاملہ کیا ہے؟ "أعوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي" (اے اللہ تعالیٰ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں اپنے نفس کے شَر سے)۔

یعنی ہمارے نفس میں بھی شَر ہے اور یقیناً یہ شَر موجود ہے (اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے) اس لیے جہاد میں سے جہاد النفس سب سے پہلے ہے نا؟ آپ اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتے ہیں کب؟ اور وہ کون سی نفس ہے؟ یہی شَر والی نفس ہے نا۔

اس شَر کے خلاف آپ جہاد کرتے ہیں تو یہ نفس سیدھی رہتی ہے اس لیے سورۃ یوسف آیت نمبر 53 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ﴾ (اور میں اپنے نفس کو بَری نہیں کرتا (یا بَری نہیں کرتی) بے شک نفس جو ہے (أمارة بالسّوء؛ "أمارة" فعال ہے پھر وہی بات ہے؛ "سُوء" بُرائی) بار بار بُرائی پر آمادہ کرتی رہتی ہے حکم دیتی رہتی ہے بُرائی کرنے کا) (یوسف:53)

اچھا مزے کی بات ہے میں نے یہ کہا ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ﴾: اور میں اپنے نفس کو بَری نہیں کرتا یا بَری نہیں کرتی دونوں میں سے صحیح کون سا ہے؟ اور کیا مراد ہے اس سے؟

جب سیدنا یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی برأت کا ثبوت مل گیا اور عزیز مصر کی بیوی نے بھی اعتراف کر لیا کہ بے قصور ہیں ہم نے غلط تہمت لگائی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا پھر یہ ارشاد ہے اِن ہی کی زبانی: ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ﴾ کس نے کہا ہے؟ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے یہ جملہ جو ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ عزیز مصر کی بیوی نے کہا ہے۔ اور یہ دیکھیں (سبحان اللہ) دونوں کی طرف دونوں جملے ٹھیک ہیں: ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ﴾ (سبحان اللہ)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): نفس دو قسم کی ہے: "نفس مطمئنة" (اچھی نفس، مطمئن نفس جو خیر کا حکم دیتی رہتی ہے) "ونفس شريرة أمارة بالسوء" (اور شَر پسند نفس جو ہے جو بُرائی کا حکم دیتی رہتی ہے بُرائی پر آمادہ کرتی رہتی ہے)۔

اور تیسری نفس لوامۃ جو ہے یہ کیا الگ سے تیسری ہے یا ان دونوں نفس کا جو ذکر کیا گیا ہے ان دونوں کا وصف ہے؟

اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ تیسری الگ سے نفس ہے جو "لوامۃ" جو ملامت کرنے والی ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ نہیں، یہ الگ سے نفس نہیں ہے بلکہ یہ ان دونوں میں سے ہی ہے جو ملامت کرتی رہتی ہے؛ جو مطمئن نفس ہے وہ آپ کو ملامت کرتی رہتی ہے، اور جو "وبعضهم يقول: هي وصف للثنتين السابقتين، فالمطمئنة تلومك، والأمارة بالسوء تلومك" بُرائی پر آمادہ کرتی ہے جو بُرائی کا حکم دیتی ہے وہ بھی آپ کو ملامت کرتی رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان جو ہے: ﴿وَلَآ أُقۡسِمُ بِٱلنَّفۡسِ ٱللَّوَّامَةِ﴾ (اور میں نفس لوامۃ کی قسم کھاتا ہوں) (القیامۃ:2):

"يشمل النفسين جميعًا" (دونوں نفس کو شامل ہے)۔

وہ کیسے؟ دیکھیں مطمئن نفس اور شر پسند نفس جو ہے " نفس مطمئنة اور نفس أمارة بالسّوء": نفس مطمئنۃ کی دلیل کیا ہے یہاں پر ذکر نہیں ہے کوئی جانتا ہے؟

سورۃ الفجر کی آخری آیات میں کیا ہے؟ ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۝٢٧ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً۝٢٨ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي۝٢٩ وَادْخُلِي جَنَّتِي۝٣٠﴾ (الفجر:27-30): یہاں پر نفس مطمئنة ہے۔

"نفس أمارة بالسّوء" سورہ یوسف میں آگیا ہے۔ "نفس اللوامۃ" سورۃ القیامۃ میں آگیا ہے۔

یہاں ہے: ﴿وَلَآ أُقۡسِمُ بِٱلنَّفۡسِ ٱللَّوَّامَةِ﴾: اور میں نے کہا ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامۃ کی تو ﴿لَآ﴾ پھر کیا ہے قسم کھاتا ہوں یا قسم نہیں کھاتا ہوں؟ ﴿لَآ﴾: تاکید کے لیے ہے۔

جب کوئی شخص کہتا ہے نا "لَا واللہ" تو اس کا مطلب "واللہ" ہی ہوتا ہے مطلب قسم کھاتا ہوں، یہ نہیں کہ قسم نہیں کھا رہا ہوں میں؛ تو یہ تاکید کے لیے ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص کہتا ہے "واللہ، واللہ" دو مرتبہ؛ تو "لَا واللہ" میں یہ بھی قسم میں شامل ہے۔

﴿لَآ أُقۡسِمُ﴾ سے مراد ﴿أُقۡسِمُ﴾: میں قسم کھاتا ہوں تاکید کے ساتھ۔

بات یہ ہو رہی ہے کہ نفس اللوامۃ جو ہے یہ بھی قول علماء کا ہے کہ ایک الگ سے تیسری قسم نہیں ہے نفس کی بلکہ نفس مطمئنۃ اور نفس أمارۃ بالسّوء دونوں جو ہیں یہ ملامت کرتی ہیں تو ان دونوں کی صفات میں سے ایک صفت ہے نفس اللوامۃ جو ہے (ملامت کرنے والی نفس جو ہے) وہ کیسے؟ جو نفس مطمئنۃ ہے وہ جب کسی واجب میں کوتاہی ہوتی ہے تو

ملامت کرتی ہے اور اگر کسی گناہ کا ارتکاب ہو جائے تو ملامت کرتی ہے، کوئی نافرمانی ہو جائے تو ملامت کرتی ہے (یہ کون سی نفس ہے؟ نفس مطمئنة)۔

دیکھیں انسان معصوم نہیں ہے غلطی ہو جاتی ہے جب بھی کوئی غلطی ہوتی ہے یہ نفس ملامت کرتی ہے، ملامت سے پھر ندامت ہوتی ہے (سبحان اللہ)۔ اس لیے توبہ کی سب سے پہلی شرط کیا ہے؟ ندامت کا ہونا ہے۔ انسان کو ندامت کب ہوتی ہے؟ جب نفس اسے ملامت کرتی ہے (سبحان اللہ)۔

جو نفس اَمارۃ بالسّوء ہے بُرائی کا حکم دیتی ہے اس کے برعکس جب کوئی خیر کا کام کرتے ہیں تو ملامت کرتی ہے، جب کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو ملامت کرتی ہے کہ اچھا کام کیوں کیا ہے؟!

کسی کو آپ نے مثال کے طور پر کوئی صدقہ یا کوئی خیرات یا پیسہ دیا ہے؛ "کیوں پیسے دیئے ہیں یہ تمہارے کام آسکتے تھے تمہارے بچوں کے کام آسکتے تھے؟! تمہاری یہ ضرورت ہے تمہاری وہ ضرورت ہے اُدھر لگا دیتے تو زیادہ بہتر تھا، یہ لے لیتے وہ کر دیتے!": تو اچھے کام جب بھی کرتے ہیں تو ملامت کرتی ہے کیوں؟! کیونکہ اَمارۃ بالسُّوء ہے جو بُرائی کی طرف آپ کو آمادہ کرتی ہے حکم دیتی رہتی ہے وہ خیر اور اچھائی کہاں سے آپ کو کرنے دے گی؟! یا کہاں اس سے توقع ہو گی کہ یہ بندہ خیر کرے گا؟! (سبحان اللہ)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): قول راجح یہی ہے کہ نفس لوامۃ جو ہے یہ دونوں کا وصف ہے۔

اور یہاں پر حدیث میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان: "أعوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي" اس سے مراد کون سی نفس ہے؟ "النفس الأمارة بالسوء": جو نفس کو بُرائی پر آمادہ کرتی ہے اور جو شَر پسند نفس ہے اُس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جا رہی ہے۔ اور پناہ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ! میں ضعیف ہوں کمزور ہوں مجھے اپنے نفس کے شَر سے بچا لے؛ یعنی میں خود اپنے طریقے سے اپنی طاقت سے اپنے نفس کے شَر کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ! تیری مدد اور اعانت کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں تُو میری حفاظت فرما اور مجھے اپنے نفس کے شَر سے بچا لے۔

اس لیے جب ہم کہتے ہیں نا قرآن مجید پڑھنے سے پہلے کیا سنت طریقہ ہے؟ استعاذۃ: ﴿أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ﴾؛ اور سورۃ کی ابتداء ہے تو ہم کہتے ہیں: ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾۔ اور اگر بیچ میں آپ نے پڑھنا ہے

قرآن مجید ابتداء سے نہیں تو پھر آپ بسم اللہ نہیں پڑھتے بلکہ پڑھتے ہیں: ﴿أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ﴾: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ﴾ (النحل:98)؛ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے یہ حکم ہے اور قرآن مجید پڑھنے سے پہلے یہ مستحب ہے۔

کبھی غور کیا ہے اس کا مطلب کیا ہے اور ہم کیوں پڑھتے ہیں؟ واجب میں آپ نوٹ کر لیں کہ استعاذۃ کی یعنی ﴿أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ﴾ پڑھنے کی قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے کی کیا حکمت ہے تھوڑا غور کرنے کے بعد آپ کو بالکل واضح ہو جائے گا، ویسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو سَر آنکھوں پر ہے حکمت ہمیں سمجھ نہ بھی آئے تب بھی سَر آنکھوں پر ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لیکن عین مناسب ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے آپ پڑھتے ہیں ﴿أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ﴾ (استعاذۃ)۔ اور ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾؛ کیونکہ ایک الگ سے مستقل آیت ہے جو سورتوں کے بیچ میں ایک فاصل کے طور پر نازل ہوئی ہے تو اگر سورۃ کو ابتداء سے آپ پڑھیں پھر پڑھتے ہیں ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾۔

اور یہ بھی ایک واجب لے لیں کہ ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ کی کیا مناسبت ہے قرآن مجید کی تلاوت سے: پہلے استعاذۃ ﴿أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ﴾؛ پھر ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾: پھر آپ آگے سورۃ الفاتحہ مثال کے طور پر جو سب سے پہلی سورۃ ہے قرآن مجید میں (موجودہ قرآن مجید کی ترتیب ہے) اس میں آپ دیکھتے ہیں کہ جب ہم شروع کرتے ہیں پڑھنے میں، پہلے ﴿أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ﴾؛ پھر ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾: پھر ہم سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں۔

پھر: "وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دابَّةٍ أَنْتَ آخِذٌ بِناصِيَتِها" (اور ہر اس دابۃ کے شَر سے جس کی تُو نے پیشانی پکڑی ہوئی ہے): دابۃ سے مراد "كل ما يدب على الأرض"۔ معنی دیکھیں لفظ ایک ہے اب عربی زبان میں معنی دیکھیں کیونکہ آپ ترجمہ دیکھیں کوئی کہتا ہے جانور ہے، کوئی دابۃ کا لفظ دابۃ ہی ترجمہ کر دیتا ہے؛ جانور کے لفظ سے معنی زیادہ وسیع ہے، دیکھیں ابھی کتنے معنی ہیں ایک لفظ دابۃ کے! اصل جو لفظ ہے "كل ما يدب على الأرض" (ہر وہ چیز جو زمین پر حرکت کرتی ہے اسے دابۃ کہتے ہیں) "حتى الذي يمشي على بطنه": شیخ صاحب فرماتے ہیں، یہاں تک کہ جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں وہ بھی اس

میں شامل ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ﴾ (اللہ تعالیٰ نے ہر دابۃ کو پانی سے پیدا کیا ہے) ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ﴾ (ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں) (النور:45)۔

پیٹ کے بل کون سا جانور چلتا ہے؟ سانپ، کروکوڈائل (Crocodile) بھی چھوٹے چھوٹے پاؤں ہیں اس کے لیکن بہر حال باقی اس کا پیٹ زمین پر ضرور لگتا ہے؛ تو سانپ سے واضح مثال ہے۔

دوسری آیت سورۃ ھود آیت نمبر 6 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (کوئی بھی دابۃ نہیں ہے زمین پر لیکن اللہ تعالیٰ پر اُس کا رزق ہے) (ھود:6)۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو رزق دیتا ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کہ دابۃ جو ہے عام عرف میں ذوات الاربع کو کہتے ہیں (چوپائے جانور کو کہتے ہیں) اور اس سے جو خاص عرف ہے کہ صرف گدھے کو کہا جاتا ہے "دابۃ"؛ اور اس حدیث میں ہر وہ چیز جو زمین پر چلتی ہے حرکت کرتی ہے۔

اب دیکھیں دابۃ کے کتنے معنی ہو گئے؟ (۱) ایک ہر وہ چیز جو حرکت کرتی ہے، یہ وسیع مفہوم ہے۔ (۲) دوسرا ہے چوپایہ جانور جو ہے۔ (۳) تیسرا، ہر جانور جو پیٹ کے بل بھی چلتا ہے وہ بھی (سب، پیٹ کے بل چلتے ہیں ہر چلنے والی چیز شامل ہے)۔ (۴) چوتھا جو ہے کہ گدھے کو صرف الگ سے بھی دابۃ کہا جاتا ہے (سبحان اللہ)۔

دیکھیں عربی زبان کتنی وسیع زبان ہے! کوئی دابۃ کہتا ہے تو مقصد ہوتا ہے گدھا، کوئی دابۃ کہتا ہے مقصد ہوتا ہے کہ گائے وغیرہ، کوئی دابۃ کہتا ہے مقصد ہوتا ہے سانپ، کوئی دابۃ کہتا ہے مقصد ہوتا ہے کوئی اور جانور ہوتا ہے، کوئی دابۃ کہتا ہے ہر چیونٹی جو ہوتی ہے اسے بھی دابۃ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی زمین پر چلنے والی ہے۔

اور جب انسان کے نفس میں شَر موجود ہے (اشرف المخلوقات ہے نا انسان شَر ہے نا) تو پھر جو باقی مخلوقات ہیں اُن میں شَر ہے کہ نہیں؟ یہ جو دَوابّ ہیں ان میں شَر بھی ہے تو ان تمام چیزوں کے شَر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے آپ پناہ طلب کرتے ہیں۔ یہ جو دابۃ ہیں (شیخ صاحب فرماتے ہیں) ان میں سے بعض ایسے ہیں جن میں شَر لذاتہ ہے، اور بعض میں شَر بھی ہے خیر بھی ہے۔

یعنی جیسے سانپ کو دیکھ لیں آپ اس میں کیا خیر ہے کوئی خیر ہے؟! تو شَر ہے اس لیے سانپ کو مارا جاتا ہے، سوائے جو گھریلو سانپ ہیں جو گھروں میں نظر آتے ہیں تو اس میں تین دن کی مہلت کی حدیث ہے اور اس میں علماء کا بڑا لمبا چوڑا

اختلاف ہے (میں اس میں وقت نہیں کہ ذکر کروں) لیکن اگر آپ گھر میں سانپ دیکھیں تو کیا کریں؟ ہم تو فوراً مار دیتے ہیں نا سیدھی سی بات ہے، دیکھ کر تو مار ہی دیتے ہیں ہم لوگ ڈر کے مارے کہ بچے ہیں گھر میں تو سانپ کو ہم کہاں مہلت دیں گے! تو جو صحیح طریقہ ہے کہ مہلت کیسے دینی ہے؟ اُس سے بات کرنی ہے کہ گھر سے نکل جاؤ (میرے گھر سے نکل جاؤ) ورنہ پھر تمہیں نقصان ہو گا؛ اور اگر واقعی وہ چلا جاتا ہے تو اسے چھوڑ دو، پھر نظر آئے پھر اس کو یہ کہو، تیسری مرتبہ پھر اسے قتل کر دو۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ خاص مدینہ کے لیے تھا اور اس وقت تھا جب یہ جِن جو تھے کیونکہ یہ سانپ والی حدیث جو ہے اس میں کیونکہ اصل میں یہ شیطان جِن تھا اس کو ایک صحابی نے قتل کیا؛ معروف قصہ ہے صحیح بخاری کی روایت میں بھی آیا ہے کہ ایک شخص جو ہے (ایک صحابی جو ہے) جوان صحابی نئی شادی ہوئی تھی جہاد پر گیا پھر واپس آیا تو جب گھر جا رہا تھا تو دیکھا کہ اس کی بیوی جو ہے گھر کے باہر کھڑی ہے پردے میں بھی نہیں تھی، بڑے غصے میں آیا کہ بھئی تمہیں کیا ہے (تلوار بھی اٹھائی)؟! اُس نے کہا گھر میں دیکھو کیا ہے؟! دیکھا تو اُس کے بستر پر سانپ بیٹھا ہوا تھا، تو غصے میں آکر فوراً قتل کیا اُسے، اُسے قتل کرتے ہی خود بے ہوش ہو گیا اور اُدھر ہی دم توڑ دیا؛ تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ اگر تم میں سے کوئی شخص گھر میں ایسے سانپ دیکھے تو فوراً قتل نہ کرے اُسے کیونکہ یہ جِن تھا اور اُس نے پھر بدلہ لے کر اُس کو قتل کر دیا (سبحان اللہ)۔ تو بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ مدینہ کے لیے صرف خاص تھا اور اُس وقت کے لیے خاص تھا، اور بعض نے کہا کہ نہیں، حدیث عام ہے تو اس میں تو عموم پر ہی ہے۔

تو بہر حال اس میں علماء کا کافی اختلاف ہے بہتر یہ ہے کہ اگر آپ کے گھر میں کوئی سانپ نظر آتا ہے اور آپ کے کہنے سے وہ چلا بھی جاتا ہے (شرط یہ ہے اگر چلا جاتا ہے) تو مطلب وہ پھر سانپ ہی ہے، اگر چلا نہیں جاتا آپ کے کہنے سے آپ پر مزید اٹیک (Attack) کرتا ہے اُس کو چھوڑو نہیں پھر کیونکہ نقصان پہنچائے گا نا وہ!

الغرض؛ بات یہ ہو رہی تھی کہ بعض ایسے جانور ہیں جن میں **شَرِّ مَحض** ہے "شَرٌّ لذاته" ہے (اُس کے اندر ہی شَر ہے)، بعض ایسے جانور ہیں جن میں خیر بھی ہے شَر بھی ہے۔ شَر کی مثال تو دے دی میں نے "سانپ بچھو وغیر یہ سب"، چوہے بھی شَر ہی ہے اِن میں اس لیے جہاں پر بھی آپ دیکھو انہیں قتل کر دیتے ہیں۔ جن میں خیر اور شَر دونوں ہیں: کتا ہو گیا (شکار والا کتا)۔ بیل خیر ہے صرف یا شَر ہے صرف یا دونوں ہیں؟ قربانی کے وقت آپ دیکھیں؛ اونٹ میں بھی ہے، بیل میں بھی ہے بالکل یہ چیزیں، تو اِن میں خیر بھی ہے اور شَر بھی ہے۔

اس لیے عمومی طور پر جتنے بھی دابہ ہیں سب کے شَر سے آپ نے محفوظ ہونے کی دعا مانگ لی ہے کہ نہیں چاہے لذا ہیہ والا ہو چاہے جس میں خیر اور شَر دونوں چیزیں ہوں (لذا ہیہ والا نہ ہوں)؟

"أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا" (اے اللہ تعالیٰ! تو ہی پیشانی کو پکڑنے والا ہے (اِن کی پیشانی کو)): ناصیہ کہتے ہیں پیشانی، (مقدمة الناصية: مقدمۃ الرأس جو ہے)، اور ناصیہ کا اس لیے خاص طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ جانور کو جب پکڑا جاتا ہے تو آگے سے پکڑا جاتا ہے۔

اور انسان کے اعتبار سے آپ دیکھیں انسان کی سوچ و بچار کا جو مادہ ہوتا دماغ کا اسے کہتے ہیں فرنٹل لوب (Frontal Lobe)؛ دماغ کے جو بڑے حصے ہوتے ہیں تو اگلے والا جو حصہ ہے یہ فرنٹل (Frontal) یہاں پر آگے والا حصہ جو دماغ کا ہے یہاں پر انسان جو ہے اس کی سوچ اور بچار، سچ کہنا ہے جھوٹ کہنا ہے کیا کرنا ہے تو یہاں پر اس کی فیکٹری کا یہ حصہ ہے جو ڈسائیڈ (Decide) کرتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں کیا آیا ہے؟ ﴿نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝١٦﴾ (العلق:16): ﴿نَاصِيَةٍ﴾ (یہ) ﴿كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ (جھوٹی اور خطاء کار)؛ تو ڈسیژن (Decision) یہاں سے ہوتا ہے دماغ کے اس حصے سے (سبحان اللہ)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: حدیث میں "أَنْتَ الأَوَّلُ؛ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ": (دیکھیں حدیث کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں اور اختتام بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں ہے سبحان اللہ، دعا آپ نے مانگ لی ہے ادب دیکھیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ)۔

"أَنْتَ الأَوَّلُ؛ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ": یہ تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "الأَوَّلُ" کے لفظ کی۔

"الأَوَّلُ" اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں سے اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں میں سے ایک نام ہے اس نام کا معنی کیا ہے؟

الاوّل کا کیا معنی ہے؟ "جس سے پہلے کچھ بھی نہیں"۔ کس نے کہا ہے؟ سب سے عظیم تفسیر وہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے (قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید سے، دوسرے نمبر پر پھر حدیث سے)، تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "أَنْتَ الأَوَّلُ؛ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ"۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اہل فلسفہ جو ہیں (جو فلسفی لوگ ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کو قدیم کے لفظ سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے؛ اور یہ قدیم کا لفظ جو ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں سے نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نام کے لیے بیان کرنا بھی یہ لفظ درست نہیں ہے غلط ہے، لیکن خبر کے اعتبار سے اگر کوئی

خبر دینا چاہتا ہے، اور جو خبر کا باب ہے وہ نام سے زیادہ وسیع ہے۔ کیونکہ قدیم جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں سے نہیں ہے اور قدیم کے لفظ میں نقص کا معنی بھی پایا جاتا ہے کیونکہ جو قدیم ہے وہ اوّل نہیں ہو سکتا (لفظ اوّل اور قدیم دونوں میں فرق ہے: قدیم نِسبی بھی ہو سکتا ہے یعنی اس سے پہلے کوئی اور بھی ہو سکتا ہے)؛

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝﴾ (یس:39): اور "العروجون القدیم" حادث ہے؛ یعنی اُس سے پہلے وہ قدیم تھا پھر بعد میں اُس میں تبدیلی آئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "وأَنْتَ الظَّاهِرُ؛ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ" (اے اللہ تعالیٰ! تُو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں ہے): اور "الظَّاهِرُ" ظہور اور علو میں سے ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝﴾ (الکھف:97)۔

﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾: اس میں دو چیزیں دیکھیں آپ ﴿اسْطَاعُوْٓا﴾ و ﴿اسْتَطَاعُوْا﴾؛ ﴿اَنْ يَّظْهَرُوْهُ﴾ اور ﴿نَقْبًا﴾ یہ کس چیز کا ذکر ہے؟

یہ اُس دیوار کا (سَد کا) جسے ذوالقرنین نے بنایا تھا یاجوج ماجوج کو روکنے کے لیے۔ (یہ سورۃ الکھف میں ہے) جب دیوار مکمل ہو گئی اور بن گئی پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾: ﴿اسْطَاعُوْٓا﴾ اور ﴿اسْتَطَاعُوْا﴾ میں کیا فرق ہے؟

حرف تاء زیادہ ہے ﴿اسْطَاعُوْٓا﴾، وہ ﴿اسْتَطَاعُوْا﴾؛ لفظ آیا کہاں سے ہے؟ "استطاع، يستطيع": تاء تو ہے نا، تو بغیر تاء کے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔

اور ایک قاعدہ ہے قرآن مجید میں ہم نے پڑھا تھا کہ حرف کا زیادہ معنی کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے (کوئی حرف اگر زیادہ ہے)۔ "اصبر واصطبر" ہے نا قرآن میں؟ ﴿اِصْبِرْ﴾ ہے (صبر کرنا) (ص:17)؛ ﴿وَاصْطَبِرْ﴾ (زیادہ صبر کرنا) (طٰہ:132)؛ سبحان اللہ۔ "اِسطاعة، اور استطاعة" دونوں میں زیادہ مشکل کس میں ہے اسطاع میں یا استطاع میں؟ جس کا حرف زیادہ ہے معنی زیادہ اس میں ہے (یعنی زیادہ سختی اس میں ہے)۔ ایک پہاڑ ہے ایک دیوار ہے اس کو پھلانگنا زیادہ آسان ہے یا اس میں سے سوراخ کر کے گزرنا زیادہ آسان ہے؟ ایک پہاڑ ہے آپ پہاڑ پر اوپر جا کر نیچے اتریں گے آسان ہے یا پہاڑ میں آپ سرنگ کھود کر نکلیں گے آسان ہے؟ کیا خیال ہے اوپر جانا نا؟

﴿فَمَا اسْطَاعُوٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ﴾: ظہور علو کو کہتے ہیں "اُس سے اوپر چھلانگ کر جانا" نہیں کر سکے: استطاعت کی نفی ہے نا ﴿فَمَا اسْطَاعُوٓا﴾؟ ﴿وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾: نقب کہتے ہیں سوراخ کرنے کو "اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے"۔ جو زیادہ مشکل تھا اُس میں ایک حرف زیادہ ہے "استطاع"؛ جہاں کم مشکل ہے اس میں بغیر ایک حرف کے ہے ، جبکہ دونوں نہیں کر سکے وہ دونوں کی طاقت نہیں تھی اُن کی! یاجوج اور ماجوج نہ دیوار کو پھلانگ سکے نہ اُس میں سوراخ کر سکے۔

سوراخ کر سکتے ہیں؟ سوراخ ہوگا؟ جی ہاں، سوراخ ہوگا۔ کیا دلیل ہے صحیح بخاری کی حدیث میں کیا آیا ہے؟ "وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِن شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ" (عرب کے لیے ویل ہے اُس قریب شَر کے جو آنے والا ہے) "فُتِحَ اليومَ مِن رَدْمِ يَأْجُوجَ ومَأْجُوجَ مِثْلُ هذِه" (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ یاجوج اور ماجوج کی دیوار میں سے اتنا سوراخ ہو چکا ہے؛ اور اپنے انگوٹھے کو اس انگلی شہادت سے ملا دیا)۔ اتنا سوراخ ہو چکا تھا آج سے چودہ سال پہلے اب یہ سوراخ کہاں تک پہنچا ہو گا؟! (سبحان اللہ)۔ اور یہ دنیا میں جو تبدیلی آ رہی ہے یہ قیامت کی نشانیاں روزانہ بڑھتی جا رہی ہیں تو قیامت قریب آ رہی ہے اس لیے انسان کو ہمیشہ تیار رہنا ہے۔ اور سب سے بڑی قیامت کون سی ہے ہر انسان کے لیے؟ اُس کی موت، جسے قیامت صغریٰ بھی کہتے ہیں۔

یعنی سب کے لیے قیامت صغریٰ کہا ہے اور اپنے بندے کے لیے وہی تو قیامت ہوتی ہے نا جب انسان کی موت آتی ہے؛ کس حالت میں انسان کی موت آتی ہے کیا ہم اس کے لیے تیار ہیں، اصل بات یہ ہے اور اصل پیغام یہ ہے۔

دیکھیں قرآن اور سنت کا بنیادی پیغام کیا ہے؟ بھئی تیار رہو! کہیں ایسا وقت نہ آئے کہ تم ربّ کو ناراض کرو پھر موت آ جائے! ربّ کو راضی رکھو، جب ربّ کو راضی کر لو نا جب راضی ہو جائے اور وہ تم محسوس کر و اپنے اندر کہ ربّ تم سے راضی ہے پھر زندہ رہنے کا مرنے کا کوئی فرق نہیں پڑتا انسان کو؛ موت سے وہ ڈرتے ہیں جو اپنے ربّ کو ناراض کرتے رہتے ہیں۔

اس لیے دیکھیں نا اب صحابہ کی زندگی دیکھیں آپ زندگی میں کیا تھا اُن کی؟ یعنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنا جانتے تھے بس دنیا میں کچھ پایا ہے کھویا ہے کوئی فکر تھی اُن کو؟! دنیا قربان کر دی پھر کمایا پھر اللہ نے دے دیا؛ تھوڑا دیا زیادہ دیا اُن کو کوئی پرواہ نہیں تھی لیکن کیا ربّ راضی ہے کہ نہیں

یہ فکر تھی ! اور گواہی کیا ملی مرنے کے بعد؟ تاقیامت ہم کیا پڑھتے ہیں ؟ ﴿رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ﴾ (التوبہ:100)، یہ کمال ہے ! (سبحان اللہ)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ظاہر سے مراد جو ہے یعنی بلند ہونا: ''وأنتَ الظَّاهِرُ؛ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ'': اس لیے حدیث میں بھی اس کی تاکید آئی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ ! تُو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں ہے (ظاہر کہتے ہیں اوپر والے کو)۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں: جس نے یہ کہا کہ ظاہر سے مراد ''الظاهر بآياته'' (اپنی آیات سے ظاہر ہے)، تو یہ خطاء ہے غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بہتر کوئی نہیں جانتا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''الظَّاهِرُ'' لفظ جو ہے ''فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ'' (تیرے اوپر کوئی چیز نہیں ہے)، اللہ تعالیٰ ہر چیز سے اوپر ہے۔ ''وأنتَ الباطِنُ؛ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ'' (اے اللہ تعالیٰ ! تُو باطن ہے تجھ سے قریب کوئی اور چیز نہیں ہے): یعنی اے اللہ تعالیٰ ! تیرے سوا کوئی تدبیر نہیں کرتا تُو اکیلا ہی ہے تدبیر کرنے والا، کوئی چیز تجھ سے مخفی نہیں ہے، ہر چیز کو اللہ تعالیٰ تُو محیط ہے، ہر چیز کا نگہبان ہے، اس لیے فرمایا ''لَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ'': ''يعني: لا يحول دونك شيء، ولا يمنع دونك شيء، ولا ينفع ذا الجد منك الجد''؛ اور اسی طریقے سے۔

اللہ تعالیٰ سب کے قریب ہے اللہ تعالیٰ ہی نگہبان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ کو کوئی دور کر نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ تمہارے قریب ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کے قریب ہے۔

پھر اور دعا ہے: ''اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ'' (اے اللہ تعالیٰ ! میرے قرض کو ختم کردے (یا میرے قرض کی ادائیگی کردے))؛ اور قرض ہم جانتے ہیں کہ اگر کسی شخص پر کسی کا کوئی مال یا کوئی بھی حق واپس کرنا واجب ہو یا لازم ہو تو اُسے دَین کہتے ہیں۔ میں آپ سے کوئی چیز خریدتا ہوں اور آپ کو میں اس کے پیسے نہیں دیتا ہوں تو اسے دَین کہتے ہیں۔

اور پھر فرمایا: ''وأغْنِنِي مِنَ الفَقْرِ'' (اور محتاجی فقیری سے بھی مجھے بے پرواہ غنی بنادے)؛ کیونکہ ہاتھ کا خالی ہونا محتاجی جو ہے اور فقیری جو ہے کوئی شک نہیں ہے کہ اس میں نفس کو ملامت ہوتی ہے اور قرض لینے میں ذلالت بھی ہوتی ہے؛ اور جو محتاج ہوتا ہے اس کی محتاجی اور فقیری جو ہے بسا اوقات اُسے حرام کی طرف بھی کھینچ لے جاتی ہے۔

پھر مثال دی ہے شیخ صاحب نے (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے): کہ متفق علیہ حدیث میں آیا ہے اُن تین لوگوں کا قصہ جو غار میں بند ہو چکے تھے اور پھر جب سب نے دیکھا کہ وہ چٹان جو ہے غار سے نہیں ہٹا سکے یعنی غار میں چلے گئے تھے شدید بارش تھی مسافر تھے سفر پر جا رہے تھے اور شدید بارش کی وجہ سے ایک غار میں جا کر انہوں نے پناہ لی، غار میں بیٹھے تو ایک چٹان نے آ کر غار کے راستے کو بند کر دیا تو بڑا زور لگایا بڑی کوشش کی نکلنے کی تو نہ نکل سکے، جب دیکھا بھئی کوئی چارا نہیں ہے تو ان سب نے یہ مشورہ کیا کہ جس نے جو بھی نیک عمل کیا ہے اس کا وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اس مصیبت سے نجات عطا فرمائے؛ تو سب سے اپنا اپنا جو نیک عمل تھا اسے وسیلہ بنایا۔ (اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ عمل صالح کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے اور یہ شرعی وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے)۔

الغرض؛ جو شاہد ہے اس میں، لمبی حدیث ہے میں صرف جو دلیل ہے جو شاہد ہے اس کو بیان کرتا ہوں؛ تو شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے اپنے اس عمل صالح کو وسیلہ بنایا کیا عمل صالح تھا؟ کہ اُس کی ایک کزن تھی جس کو وہ بہت پسند کرتا تھا اُس کی شادی نہ ہو سکی کسی وجہ سے، اُس کی شادی ہو گئی تھی وہ پھر بھی اُس کو پسند کرتا تھا تو ایک وقت ایسا اُس عورت پر اس کزن پر آیا کہ محتاج ہو گئی تو اُس نے اپنے اس کزن سے کچھ پیسہ مانگا، تو اس نے شرط رکھی کہ جب تک تم مجھے بدکاری نہیں کرنے دو گی میں تمہیں یہ پیسہ نہیں دوں گا؛ تو مجبور ہو کر اُس نے اقرار کر لیا۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب وہ اپنی اس کزن کے ساتھ ویسے بیٹھا جیسا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھتا ہے (یعنی ہمبستری کے لیے) تو ایک جملہ کہا اُس عورت نے: "لَا تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ" (یعنی اگر آپ نے یہ کام کرنا ہے تو اس کا پھر حق ادا کرنے کے بغیر یہ بدکاری مت کرو (سبحان اللہ))؛

اُس کے یہ بات دل میں اُتر آئی اور خوف طاری ہو گیا اللہ سے ڈر گیا، لفظ یہ ہے کہ میں بہت شدید اُس سے محبت کرتا تھا، لیکن اللہ کے ڈر سے میں نے اُس وقت بدکاری اُس سے نہیں کی اسے میں نے پیسہ دے دیا اور اسے چھوڑ بھی دیا معاف بھی کر دیا (یعنی اس سے کوئی بدکاری نہیں کی میں نے)؛ اے اللہ تعالیٰ! اگر تُو نے میرے اس عمل کو قبول کیا ہے جو میں نے خاص تیرے لیے کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما۔

اور واقعی (سبحان اللہ) پھر وہ راستہ بھی کھل گیا اور وہ تینوں جو ہیں وہ اُس غار سے نکل گئے مکمل سلامتی کے ساتھ۔

الغرض؛ تو اس میں اصل بات یہ ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اور بات یہ ہو رہی ہے کہ محتاجی اور فقیری جو ہے بعض اوقات انسان کو حرام کی طرف مجبور کر دیتی ہے (اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے)۔

اور اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان: "اغْنِنِي مِنَ الفَقْرِ" (اے اللہ تعالیٰ! مجھے فقیری سے اور محتاجی سے بے پرواہ اور غنی کر دے)؛ کیونکہ فقیری کی بہت ہی آفات عظیمہ ہیں، محتاجی کی بہت ہی سخت اور عظیم آفتیں ہیں
۔

اس حدیث میں جو اللہ تعالیٰ کی اسماء وصفات ہیں: اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے "الأول ، والآخر، والظّاهر، والباطن"؛ یہ چار اللہ تعالیٰ کے نام ہیں؛ اور صفات میں سے صفات الأولیۃ والآخریۃ؛ اور احاطہ زمانیہ، اور احاطہ الظاہریۃ والباطنیۃ، اور احاطہ مکانیۃ بھی ہے، یہ تمام معنی اور یہ صفات جو ہیں ان چار ناموں میں موجود ہیں؛ اللہ تعالیٰ کا علو اور عموم ربوبیت اور تمام قدرت ان صفات کا ثبوت ملتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت اور حکمت اور اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل فرمائی ہیں تا کہ لوگوں کے بیچ میں فیصلہ ہو اور حکم ہو اور اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ہدایت کا راستہ بھی ہو، رہنمائی بھی ان کتابوں میں موجود ہے۔

اور اسماء وصفات کے علاوہ جو اس حدیث میں پیغام ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے اللہ تعالیٰ کا وسیلہ بنانا، اور اپنے شَر نفس سے خبر دار رہنا، اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا کہ اللہ تعالیٰ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو قرض ہے اس کی ادائیگی ہو جائے اور محتاجی اور فقیری سے بے پرواہ اور غنی بنا دے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ربّ سے یہ سوال کیا ہے کہ مسکینوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ رکھے؛ یہ حدیث ضعیف ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)۔

اور اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے کہ نہیں، یا حدیث کے یہ الفاظ ہیں جیسا کہ ترمذی میں اور ابن ماجہ میں حدیث موجود ہے: "اللَّهمَّ أحيِني مِسكينًا، وأمِتْني مِسكينًا، واحشُرني في زُمرةِ المساكينِ يومَ القيامَةِ" (کہ اللہ تعالیٰ! مجھے مسکینوں کے ساتھ زندہ رکھنا، مسکینوں کے ساتھ ہی مجھے موت آئے اور میرا جو حشر ہو وہ مسکینوں کے ساتھ ہو قیامت کے دن)؛ علامہ البانی اسے صحیح کہتے ہیں، اور بعض علماء اس کی تضعیف کرتے ہیں کیونکہ محتاجی اور فقیری جو ہے

وہ قرآن اور سنت کے نصوص میں اگر آپ دیکھتے ہیں تو اس میں خیر نہیں ہوتا، تو اس اعتبار سے بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بڑی پیاری بات فرماتے ہیں، فرماتے ہیں مجموع الفتاویٰ میں: "چاہے حدیث کا لفظ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن جو صحیح مسکین ہوتا ہے جو محمود ہے جو قابل خیر ہوتا ہے وہ ہے جس میں تواضع ہو"۔

یعنی مسکین بھی ہے لیکن اس میں انکساری بھی ہو اور اس کی اس مسکینی کی وجہ سے (یعنی) کسی حرام کی طرف وہ راغب نہ ہو یا مجبور نہ ہو جائے تب تو ٹھیک ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: جو مسلکی فائدہ ہمیں ملتا ہے اس حدیث سے:

(۱) نفس کے شَر سے خبر دار رہنا۔

(۲) اور قرض کے تعلق سے جو ہے قرض کے معاملے کی تعظیم کرنا کہ قرض کوئی عام بات نہیں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود پناہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں)؛ اور جتنا بھی ہو سکے انسان قرض نہ لے اور اس سے بچنے کی بے حد کوشش کرتا رہے، ہاں! مجبوری وہ جائے تو الگ بات ہے۔

(۳) اور اپنے مال میں اور مال کے خرچ کرنے میں میانہ روی کا راستہ اختیار کرے کیونکہ اگر وہ میانہ روی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو عمومی طور پر جو ہے غالباً وہ فقیری، محتاجی، اور دین، اور اس قرض سے وہ بچ جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے شَر کے نفس سے اور فقیری، محتاجی سے اور ہر شَر سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ فرمائے۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (068.العقیدۃالواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔